© rasailojaraid.com

پروفیسر عبدالرؤف☆

''اسلامی معاشیات یا سرمایہ داری کا اسلامی جواز؟''

[زاہد صدیق مغل صاحب کے ایک تنقیدی مضمون کا جائزہ]

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کے اگست، ستمبر اور اکتوبر ۲۰۰۸ء کے شماروں میں تین قسطوں پر مشتمل جناب محمد زاہد صدیق مغل (استاد نیشنل یونیورسٹی فاسٹ، کراچی) کا مضمون بعنوان ''اسلامی معاشیات یا سرمایہ داری کا اسلامی جواز'' شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں اس وقت کے اسلامی ماہرین معاشیات پر اس الزام کے ساتھ کھل کر تنقید کی گئی ہے کہ وہ اسلام اور سرمایہ داری میں اصولاً کوئی فرق نہیں کرتے، کیونکہ جن تحریرات کو اسلام کے نام پر پیش کیا جاتا ہے، ان کا اصل مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کے نتیجے میں زیادہ لذت پرستی، نفع خوری اور ترقی ممکن ہو سکے گی۔ اسلامی ماہرین معاشیات پر تنقید کے سلسلے میں ان کا اصل ہدف مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''اس ضمن میں مولانا تقی عثمانی صاحب کی کاوشیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں.... پاکستان میں اسلامی بینکاری وغیرہ پر سب سے عمدہ تحقیق مولانا تقی عثمانی صاحب نے فرمائی ہے۔ لہٰذا ہمارے پیش نظر آپ کی کتاب ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' ہے۔ مولانا کی قد آور شخصیت اور علمائے کرام کے سامنے خطبات کی صورت میں پیش کیے جانے کی بنا پر اس کتاب کی علمی اہمیت وثقاہت (Authenticity) دیگر کتب سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو مدارس میں ایک بنیادی نصابی کتاب کے طور پر شامل کر لیا گیا ہے۔'' (شمارہ اگست، ص ۱۸)

مولانا تقی عثمانی صاحب کو قد آور شخصیت کہنے اور ان کے علمی مقام ومرتبہ کو تسلیم کر لینے کے باوجود صدیق مغل صاحب کی تنقید میں بہت زیادہ شدت پائی جاتی ہے۔ ان کے انداز تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ جیسے ایک بلند علمی مرتبہ ومقام پر فائز شخص کسی معمولی علم رکھنے والے شخص پر سخت تنقید کر رہا ہو۔ وہ اپنے مضمون کو غور وفکر کے لیے پیش کرنے کے بجائے ابتدا ہی سے اس وضاحتی نوٹ سے کرتے ہیں: ''راقم الحروف کے خیال میں اسلامی معاشیات وبینکاری سے منسلک تمام حضرات خلوص دل کے ساتھ اسے خدمت اسلام سمجھتے ہیں اور ان کی غلطی اجتہادی خطا پر محمول ہے''۔ گویا پروفیسر مغل صاحب کا اجتہاد ہے کہ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ پھر مولانا تقی عثمانی صاحب کا ایک اقتباس درج کرنے کے بعد مطلب اخذ کرتے ہیں:

''گویا مولانا مانتے ہیں کہ اصل انسانی مسئلہ تزکیہ نفس نہیں کہ جس کے بعد اس کی ضرورتیں اور خواہشات کم ہو جائیں بلکہ

☆ سابق صدر شعبہ اسلامیات، بہاول پور اسلامیہ یونیورسٹی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ وہ کون سا طریقہ کار ہے جسے استعمال کر کے وہ ان وسائل سے زیادہ سے زیادہ خواہشیں پوری کر سکے۔'' (شمارہ ستمبر، ص۳۲) ''آپ کے خیال میں اسلام لبرل سرمایہ دارانہ معیشت کا حامی ہے۔'' (ستمبر، ص۳۹) طلب رسد کے قوانین کو فطری مان کر ''مولانا بے خبری میں ایڈیم سمتھ کے یہ مفروضے بھی مان بیٹھے ہیں کہ...'' (ستمبر ص۳۴) سمتھ کے اقتباس درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''مزے کی بات ہے کہ مولانا کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں... حیرت ہے کہ نفس پرستی کی اس روحانیت کو مان لینے کے بعد مولانا کے پاس ''اصلاحی خطبات'' بیان فرمانے اور چھپوانے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔'' (ستمبر، ص۳۵) ''انہی معنوں میں مولانا سوشل ڈیموکریٹ نظریات کے حامی بن جاتے ہیں۔'' (ستمبر، ص۳۵) ''مولانا کا کاروبار کو نفع خوری کے ساتھ جوڑنا نہ صرف یہ کہ اسلامی تعلیمات بلکہ انسانی تاریخ کے بھی خلاف ہے۔'' (ستمبر، ص۴۰)

صدیق مغل صاحب کے ان اقتباسات سے تنقید کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

صدیق مغل صاحب نے مولانا تقی عثمانی صاحب پر جو شدید تنقید کی ہے، اس کا جائزہ لینے سے پہلے مولانا کی اس کتاب کا مختصر سا تعارف جس کو بنیاد بنا کر ان پر تنقید کی گئی ہے۔

دارالعلوم کراچی کے تعاون سے ادارہ ''مرکز الاقتصاد الاسلامی'' میں کچھ تربیتی کورس علمائے کرام اور خاص طور پر فتویٰ سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے منعقد کیے گئے تاکہ انہیں معیشت کے موجودہ تصورات اور عصر حاضر میں کاروبار کی مختلف صورتوں کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی جائیں۔ یہ کورس ایک تجریاتی نوعیت کا تھا۔ اس کورس میں شریک مفتی محمد مجاہد صاحب نے پورے درس کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے تحریری شکل میں محفوظ کیا۔ مولانا کی کتاب ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' بنیادی طور پر اس تحریر سے تیار کی گئی ہے، البتہ مولانا نے اس پر نظر ثانی کر کے مناسب ترمیم و اضافہ کیا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ: ''یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ سلسلہ وار تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مولانا مفتی محمد مجاہد نے یہ تقاریر لفظ بہ لفظ مرتب نہیں کیں بلکہ تقاریر کا خلاصہ اور مغز اپنے الفاظ میں مرتب کیا ہے۔ لہٰذا انداز بیان میں اختصار ملحوظ رہا ہے اور فاضل مرتب نے طویل بحثوں کو مختصر الفاظ اور تعبیرات میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے، اس لیے عام قاری شاید بعض جگہ گنجلک محسوس کرے، لیکن امید ہے کہ اہل علم اسے قدرے توجہ سے پڑھیں گے تو ان شاء اللہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔ ان تقاریر کے براہ راست مخاطب علمائے کرام تھے، اس لیے خاص طور پر فقہی بحثوں میں فقہی اصطلاحات بکثرت استعمال ہوئی ہیں اور مضامین کا انتخاب بھی انہی کی ضرورت کے مطابق کیا گیا ہے۔ یہ گفتگو اس موضوع پر حرف آخر نہیں ہے۔ اسے ہر مسئلے میں احقر کی طرف سے حتمی فیصلہ بھی سمجھنا نہیں چاہیے''۔

اس تمہید کے بعد صدیق مغل صاحب کی مولانا پر تنقید کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تین قسطوں میں تیس سے زائد صفحات پر شائع ہونے والے اس مضمون کا بنیادی موضوع اسلامی معیشت ہے اور اس میں اسلامی ماہرین معاشیات کی اجتہادی خطا کہہ کر گویا اجتہاد بھی کیا گیا ہے۔ لیکن بہت زیادہ تعجب ہے کہ تیس سے زائد صفحات کے پورے مضمون میں تنقید کرتے ہوئے یا اپنے خیال کی تائید اور وضاحت کے لیے قرآن کی کسی ایک آیت، کسی ایک حدیث یا کسی عالم وفقیہ کے ارشادات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف ایک جگہ اپنی بنائی گئی ایک فرضی مثال کے سلسلے میں ایک صحابی کے مزاح کے ذکر کے لیے بخاری شریف کی ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا اصل موضوع سے براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا۔ امام غزالیؒ کے چند مختصر اقتباسات جن میں حب دنیا کی مذمت اور زہد کی ترغیب دی گئی ہے، درج کیے گئے ہیں۔ پورے مضمون میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ دارانہ نظام کے کلی انہدام اور خاتمہ کو مقصد قرار دے کر سرمایہ دارانہ نظام کی ایک ایک بات کے خلاف قرآن وحدیث کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی عقلی توجیہات، فرضی مثالوں اور پھر اپنے ذاتی استنباط سے دلائل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ (اس بات کا جائزہ بعد میں لیا جائے گا)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب پر تنقید کرنے کے لیے ان کی کتاب سے مختلف مقامات سے ٹکڑے ٹکڑے لے کر حوالے نقل کرنے اور پھر ان سے نتائج اخذ کرنے کا طریقہ ناقابل فہم ہے۔ مثلاً کتاب پر تنقید کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں کہ پہلے ان کا یہ حوالہ، جو اکنامکس اور معاشیات کے معنی اور مطلب بتانے کے ضمن میں ہے، نقل کرتے ہیں: ''انسانی وسائل محدود ہیں اور اس کے مقابلے میں ضروریات اور خواہشات بہت زیادہ ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لامحدود ضروریات اور خواہشات کو محدود وسائل کے ذریعے کس طرح پورا کیا جائے؟ اقتصاد اور اکنامکس کے یہی معنی ہیں کہ ان وسائل کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے کہ ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ ضرورتیں پوری ہوسکیں۔'' (شمارہ ستمبر، ص ۳۲) اس حوالے کو نقل کر کے لکھتے ہیں: ''گویا مولانا مانتے ہیں کہ Scarcity (لامحدود خواہشات اور محدود وسائل میں فرق کی وجہ سے پیدا ہونے والی قلت) ایک فطری انسانی کیفیت کا نام ہے اور اصل انسانی مسئلہ ''تزکیہ نفس'' نہیں کہ جس کے بعد اس کی ضرورتیں اور خواہشات کم ہو جائیں بلکہ یہ ہے کہ وہ کون سا طریقہ کار ہے جسے استعمال کر کے وہ ان وسائل سے زیادہ سے زیادہ خواہشیں پوری کر سکے۔'' (ستمبر، ص ۳۲)

ذرا غور تو کیجیے کہ مغل صاحب نے مولانا کے اقتباس کو کس طرح کیا معنی پہنا دیے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے ابھی بحث کا آغاز کیا ہے، اکنامکس یا معاشیات کی تعریف کی ہے، معیشت کیا ہوتی ہے، اس کے بنیادی مسائل کیا ہوتے ہیں، ابھی وہ بتانے شروع کیے ہیں۔ پھر وہ سرمایہ دارانہ نظام کا ذکر کرتے ہیں، اس کے اصول بتاتے ہیں۔ پھر اشتراکیت کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہیں اور اشتراکیت پر تنقید وتبصرہ کرتے ہیں۔ پھر سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید وتبصرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۳۸ پر جا کر وہ معیشت کے اسلامی احکام بتانا شروع کرتے ہیں اور یہیں سے مولانا کا بیان کردہ اسلامی نظریہ شروع ہوتا ہے، لیکن مغل صاحب اکنامکس کی تعریف وتشریح، جو کی جاتی ہے، میں سے ہی اقتباس نکال کر اس کو مولانا تقی عثمانی صاحب کا نظریہ قرار دیتے ہیں۔ سمجھ سے بالا ہے کہ مغل صاحب نے یہ کہاں سے کس طرح سمجھ لیا کہ ''تزکیہ نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ خواہشات کا پورا کرنا'' مولانا کا نظریہ ہے۔ اور پورے مضمون میں جگہ جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ مولانا ''لامحدود انسانی خواہشات کی تکمیل کرنا انسانی فطرت کا جائز اظہار'' مانتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مغل صاحب نے ذمہ داری سے اپنی باتیں تحریر نہیں کیں۔ مولانا کی سیدھی اور سادہ سی بات کو پیچ در پیچ بنا کر اپنے معنی پہنا دیے ہیں۔ مولانا تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہر نفس انسانی اپنی ذات میں اور اپنی فطرت میں تو خواہشات کو پورا کرنے اور برے کاموں کا تقاضا کرنے والا ہے۔ (اللہ کے نبی حضرت یوسف بھی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق ودستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف القرآن از مفتی محمد شفیع اور تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی، سورۃ یوسف آیت 'وما ابریٔ نفسی' کے تحت) مولانا تقی عثمانی صاحب انسانی نفس کی عمومی کیفیت بتا کر بات شروع کر رہے ہیں اور صدیق مغل صاحب انسانی نفس کی اسی عمومی کیفیت کو مولانا کا نظریہ بتا رہے ہیں۔ پھر انسان کی خواہشات پر مولانا تقی عثمانی صاحب خدائی پابندیوں (قرآن وسنت) اور دیگر شرعی پابندیوں کا ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے تو اسلام نے معاشی سرگرمیوں پر حلال وحرام کی کچھ ایسی ابدی پابندیاں عائد کی ہیں جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہیں مثلاً سود، قمار، سٹہ، اکتناز، احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی اور دوسری تمام بیوع باطلہ کو کلی طور پر ناجائز قرار دے دیا کیونکہ یہ چیزیں عموماً اجارہ داریوں کا ذریعہ بنتی ہیں اور ان سے معیشت میں ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان تمام چیزوں کی پیداوار اور خرید وفروخت کو حرام قرار دے دیا جن سے معاشرہ کسی بداخلاقی کا شکار ہو اور جس میں لوگوں کے سفلی جذبات بھڑکا کر ناجائز طریقے سے آمدنی حاصل کرنے کا راستہ پیدا کیا جائے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ خدائی پابندیاں قرآن وسنت کے ذریعے عائد کی گئی ہے، انہیں اسلام نے انسان کی ذاتی عقل پر نہیں چھوڑا.... تاکہ انسان اپنی عقلی تاویلات کے سہارے ان سے چھٹکارا حاصل کر کے معیشت اور معاشرے کو ناہمواریوں میں مبتلا نہ کر سکے۔ انہی کے ساتھ اسلامی شریعت نے حکومت وقت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ کسی عمومی مصلحت کے تحت کسی ایسی چیز یا ایسے فعل پر بھی پابندی عائد کر سکتی ہے جو بذات خود حرام نہیں، بلکہ مباحات کے دائرے میں آتی ہے لیکن اس سے کوئی اجتماعی خرابی لازم آتی ہے۔'' (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۴۰، ۴۱)

پھر اخلاقی پابندیوں کا ذکر کرتے ہیں: ''دین کی تعلیمات میں یہ بات قدم قدم پر واضح کی گئی ہے کہ معاشی سرگرمیاں اور ان سے حاصل ہونے والے مادی فوائد انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود نہیں ہے۔ قرآن وسنت کا تمام تر زور اس بات پر ہے کہ یہ دنیاوی زندگی ایک محدود اور چندروزہ زندگی ہے.... انسان کی اصل کامیابی یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں چار پیسے زیادہ کمالے۔'' (ایضاً ص ۴۲، ۴۳)

ان اقتباسات پر ذرا غور کیجیے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب معاشی سرگرمیوں پر قرآن وسنت کی عائد کردہ پابندیاں بتا رہے ہیں، حتیٰ کہ مباح فعل یا چیز پر بھی پابندی کی صورت ذکر کر رہے ہیں اور آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اخلاقی پابندیوں کی فکر اور احساس کی بات کر رہے ہیں۔ اس سب کے باوجود صدیق مغل صاحب مولانا کا نظریہ یہ بتا رہے ہیں کہ ''اصل انسانی مسئلہ تزکیہ نفس نہیں کہ جس کے بعد اس کی ضرورتیں اور خواہشات کم ہو جائیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ کون سا طریقہ کار ہے جسے استعمال کر کے وہ ان وسائل سے زیادہ سے زیادہ خواہشیں پوری کر سکے۔'' بات جب اسلامی معاشیات کی ہو رہی ہے تو کیا ان پابندیوں کے علاوہ بھی خواہشات کو کم کرنے کی کچھ پابندیاں ہیں؟ اگر ہیں تو صدیق مغل صاحب کو قرآن وسنت کے حوالے سے ذکر کرنی چاہییں تھیں۔ کیا خواہشات کو کم کرنے اور نفس کا تزکیہ کرنے کے لیے قرآن وسنت اور شریعت کے بتائے گئے اصولوں اور احکامات کی پابندی کے علاوہ بھی کوئی طریقہ موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جتنی پابندیاں لگائی ہیں، کیا خواہشات کے پورا کرنے پر وہ اس سے بھی زیادہ لگانا چاہتے ہیں؟ (صدیق مغل صاحب کی فکر کیا ہے، بعد میں ذکر ہوگا)۔

اس بات کی وضاحت علامہ ابن خلدون نے کیا عمدہ طریقے سے کی ہے۔ وہ انسان کو بعض افعال سے روکنے کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''خوب یاد رکھیے! دنیا ایک قسم کی سواری ہے جس پر سوار ہو کر لوگ آخرت کی طرف جاتے ہیں۔ ظاہر ہے جو سواری سے محروم رہے گا، وہ منزل تک پہنچ نہ سکے گا۔ انسانی افعال کے سلسلے میں اگر شریعت کسی چیز سے روکتی ہے یا اس کی برائی کرتی ہے یا اس کے چھوڑنے کا مشورہ دیتی ہے تو اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کو بالکل ہی چھوڑ دیا جائے یا اس کی جڑ ہی اکھاڑ کر پھینک دی جائے۔ شریعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان افعال کو مقدور بھر صحیح اور جائز اغراض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پھیر دینا چاہیے تا کہ ان کا مصرف صحیح اور جائز ہو اور تمام مقاصد دائرۂ حق میں آ جائیں.....اس لیے خواہشات کی اس لیے برائی نہیں کی گئی کہ خواہشات کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے کیونکہ جس کی شہوت باطل ہوتی ہے، وہ انسانی حقوق ادا کرنے پر قادر نہیں رہتا۔ شہوت کا مطلق نہ ہونا انسان میں عیب ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کا رخ جائز طریقوں میں پھیر دیا جائے۔'' (مقدمہ ابن خلدون، حصہ اول، اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۳۳۱)

اسلامی معاشیات پر مضمون تحریر کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور امام غزالیؒ کے ان اقتباسات پر دیا گیا ہے جن میں حب دنیا کی مذمت اور زہد کی ترغیب دی گئی ہے۔ صدیق مغل صاحب امام صاحب کی باتیں نقل کرتے ہیں: ''دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے.....وہ شخص جو مال جمع کرنے کو اپنا مقصد بنا تا ہے، ملعون ہے.....وہ شخص جو بازار اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جاتا ہے، حقیقی مقصد (نجات) کو نہیں پا سکتا۔'' (شمارہ ستمبر، ص ۴۰) چونکہ صدیق مغل صاحب کا اصل مقصد سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ہے (تفصیل بعد میں آئے گی) اس لیے وہ امام غزالیؒ کی تعلیمات سے صرف چند وہ اقتباسات لیتے ہیں جو مال و دنیا کی ہر طرح مذمت کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان کے سامنے ہر وقت آخرت کی زندگی ہونی چاہیے اور اس کا ذکر مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی کیا ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) لیکن بات تو ہو رہی اسلامی معیشت کی جس میں معیشت کے مطابق کمانا اور خرچ کرنا ہے۔ اس موقع پر یہ بات کی جائے گی کہ ''جو شخص بازار میں اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جاتا ہے، حقیقی مقصد کو نہیں پا سکتا'' اور اسی طرح صرف دنیا سے محبت نہ کرنے اور زہد کی باتیں کی جائیں تو بازار تو بند ہو گا ہی، اپنی ضرورتیں کہاں سے اور کیسے پوری کی جائیں گی؟ معیشت ہی نہیں رہے گی تو اسلامی بنانے کا مسئلہ ویسے ہی ختم ہو جائے گا، جب کہ صحابہ کرامؓ تو بازاروں میں تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھوں پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ (سیر الصحابہ: ۱/۷۷)
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرا دیا۔ وہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے۔ کہنے لگے میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے جواب دیا، خدا تمہارے مال و منال اور اہل و عیال میں برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو۔ لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا۔ وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچا لائے۔ دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی۔ (سیر الصحابہ، ۲/۹۴، ۹۵)

صدیق مغل صاحب نے امام غزالیؒ کے جو چند حوالے نقل کیے ہیں، وہ سب کے سب دنیا سے بے رغبتی اور زہد اختیار کرنے سے متعلق ہیں اور انہی حوالوں کی بنیاد پر وہ اسلامی معاشیات کا نقشہ تیار کرانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ زور دے کر کہتے ہیں ''ان تعلیمات کو بار بار پڑھیے اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کیجیے کہ اسلامی معاشیات اس میں کہاں فٹ ہوتی ہے۔'' (ستمبر، ص ۴۰) لہٰذا یہاں امام غزالیؒ کی کچھ تعلیمات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کو پڑھ کر بھی غور کیا جانا چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں: ''یہ کہ اپنی صنعت و تجارت میں رہنے سے یہ قصد کرے کہ ایک فرض کفایہ ادا کرتا ہوں، کیونکہ اگر صنعتیں یا تجارتیں بالکل چھوڑ دی جائیں تو معاش کے کارخانے جاتے رہیں اور اکثر لوگ تباہ ہو جائیں کہ سب کا انتظام سب کی معاونت سے ہو رہا ہے اور اس میں ایک ایک فریق ایک ایک کا ذمے دار ہے۔ اور اگر سب کے سب ایک ہی صنعت کرنے لگیں تو اور صنعتیں چھوٹ جائیں اور سب لوگ ہلاک ہو جائیں۔'' (احیاء العلوم اردو، جلد، ص ۱۴۸) ظاہر ہے، سب کی ضروریات پورا کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے آج کے دور کی صنعتیں کارخانے ہی ہیں۔ گویا امام صاحبؒ کارخانے لگانے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں: ''واضح ہو کہ رب الارباب اور مسبب الاسباب نے دارین کی تقسیم اس طرح فرمائی ہے کہ آخرت کو جزا اور سزا کا مقام ٹھہرایا ہے اور دنیا کو محنت اور اضطراب کے ساتھ مستعد ہو کر کمانے کا مکان قرار دیا ہے...اور جب تک طلب معاش میں آداب شرعیہ کا پابند نہ ہوگا، اس کے حق میں دنیا وسیلہ آخرت کبھی نہ ہوگی۔'' (ایضاً ص ۱۰۸) کسب معاش کی فضیلت اور اس کی ترغیب کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجعلنا النہار معاشا (اور بنا دیا دن کو روزگار) اس کو احسان جتانے کی جگہ ذکر فرمایا: 'وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلا ماتشکرون''۔ اس آیت میں معیشت کو نعمت فرمایا اور اس پر شکر کی طلب کی...حضرت عیسیٰ نے ایک شخص کو دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے نان ونفقہ کی کفالت کون کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرا بھائی کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے۔'' (ایضاً، ص ۱۰۸، ۱۰۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خشکی اور تری کی تجارت کیا کرتے تھے، بس ان کا اقتدا کافی ہے۔'' (ایضاً، ص ۱۱۱)

دنیا سے کیا مراد ہے، حب دنیا کسے کہتے ہیں، مال رکھ سکتے ہیں یا نہیں، کس کے لیے رکھنا مفید ہے، کس کے لیے مضر ہے، اس طرح کی بہت سی باتیں امام غزالیؒ کی تعلیمات میں سینکڑوں صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف احیاء العلوم کو ہی دیکھ لیا جائے تو اخلاص وریا، تکبر وخود پسندی، ریاضت، غضب وحسد، بخل، حصول رزق، فقر وزہد، حلال وحرام غرض کہ بیسیوں عنوانات کے تحت یہ باتیں کہیں بہت تفصیل سے اور کہیں مختصر بیان کی گئی ہیں۔ صبر وشکر کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں: ''یہ وہ باتیں ہیں کہ لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ بہت سے آدمی نیک بخت اس طرح کے ہیں کہ اچھے مال سے گو بہت سا فائدہ ہو اٹھاتے ہیں یعنی اللہ کے راستے میں اور خیرات میں اس کو خرچ کرتے ہیں تو ایسا مال اگر اس توفیق کے ساتھ آدمی کے پاس ہو تو اس کے حق میں نعمت ہے۔ اور بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑے مال سے ضرر پاتے ہیں یعنی ہمیشہ اس کو کم جانتے ہیں اور خدا سے شکوہ اور طلب زیادہ کی کیا کرتے ہیں تو اس طرح کا مال اس عدم توفیق کے ساتھ اس کے حق میں مصیبت ہے۔'' (احیاء العلوم، جلد ۴، ۱۶۸، ۱۶۹) لیجیے یہاں مال کا زیادہ ہونا مفید اور نیت اور دلی کیفیت کی وجہ سے مال کا کم ہونا نقصان دہ اور مصیبت بتایا جا رہا ہے۔

پھر فرماتے ہیں: ''مثلاً مال پر ہی غور سے دیکھو۔ کتنا بڑا فائدہ اس کا ہے کہ کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے بے فکر رہتا ہے، ورنہ محتاج آدمی مال اگر تحصیل علم یا کسب کمال کرنا چاہے اور اس کے پاس قوت بشری کی صورت کچھ نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدون ہتھیار کے لڑائی کی کوشش کرے.... مفلسی میں کوئی کام آدمی سے نہیں بن پڑتا، ہر وقت تلاش معاش اور فکر لباس اور دوسرے ترددات میں مبتلا رہتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۷۶، ۱۷۵) اور عزت وجاہ کے حصول کو شریعت میں کس قدر عمومی طور پر ناپسند کیا جاتا ہے اور تصوف میں تو خاص طور پر حب جاہ کی مذمت کی جاتی ہے، لیکن دیگر اعلیٰ خصوصیات کے علاوہ تصوف کے امام غزالیؒ مال کے فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اور عزت وجاہ کے باعث آدمی اپنے نفس پر سے ذلت اور ظلم دفع کرتا ہے اور اس کی حاجت سب اہل اسلام کو ہے۔ اس واسطے کہ کوئی اہل ایمان ایسا نہیں ہوتا جس کا کوئی دشمن موذی نہ ہو یا ظالم کہ اس کو عمل نہ کرنے دے اور تشویش و پریشانی میں ڈال دے، حالانکہ دل ایمان دار کا راس مال ہے۔ جب وہی تشویش وتردد میں رہے گا تو پھر کیا کر سکتا ہے، مگر یہ تشویش عزت وجاہ سے دفع ہو جاتی ہے۔'' (ایضاً، ص ۱۷۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی بات مولانا اشرف علی تھانوی عنوان ''عزت ومال مطلوب ہیں'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ عزت ومال دونوں مطلوب اور ممدوح ہیں، مہروب عنہ اور مذموم نہیں ہیں۔ اور جو مال وجاہ کی مذمت کرتے ہیں، ان کا عنوان تعبیری مختصر ہوتا ہے، مقصود مذمت کرنا حب مال اور حب جاہ کا ہے اور حب بھی وہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ ان کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کے حکم بھی پس پشت ڈال دے۔ چنانچہ ارشاد ہے، قل ان کان آباءکم وابناءکم، الیٰ آخر، سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ مذموم اور منہی عنہ نہ مال ہے نہ جاہ اور حب مال نہ حب جاہ بلکہ مال اور جاہ کی وہ حب مضر ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کردے اور اس کے مقابلے میں دین کی بھی پروانہ رہے۔'' (اشرف الجواب، ص ۳۳۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

میں سوچ رہا تھا کہ صدیق مغل صاحب کی امام غزالیؒ کی تفصیلی بحثوں میں سے چند اقتباسات سے حب دنیا اور زہد کی چھیڑی ہوئی اس بحث کو، جو کہ طویل ہوتی جارہی ہے، کیسے سمیٹا جائے۔ حضرت تھانوی کے ان چند جملوں نے میری پریشانی دور کردی۔ ان چند جملوں میں کتنی زیادہ جامعیت پائی جاتی ہے! ایسی ہی باتوں کی وجہ سے وہ حکیم الامت مشہور ہیں۔

زاہد صدیق مغل صاحب کے مضمون میں بڑی بنیادی غلطی یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے جس فکر اور نظریے کے تحت مولانا تقی عثمانی صاحب پر تنقید کی ہے، وہ اسلامی تعلیمات پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔ ان کی فکر اور نظریہ صرف سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید اور اس کا خاتمہ ہے۔ اس کے لیے جو بھی دلائل میسر آجائیں، ان سے کام لیا جائے۔ آیئے ان کی فکر کا ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں۔

صدیق مغل صاحب لکھتے ہیں: ''پس یاد رہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے انہدام کے لیے اس وقت تک کوئی مثبت اسلامی حکمت عملی تیار نہیں کی جاسکتی جب تک تجزیے کا نقطہ ماسکہ جزوی تفصیلات نہیں بلکہ نظام نہ بن جائے۔'' (شمارہ ستمبر، ص ۳۹) گویا ایسی مثبت اسلامی حکمت عملی تیار کی جائے جس سے سرمایہ دارانہ نظام، جزوی تفصیلات نہیں، مکمل طور پر ختم ہوجائے۔ پھر ان کا کہنا ہے: ''اسلامی ماہرین معاشیات پر امید ہیں، 'اسلام کا فروغ ہوگا'۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی مثال اس سے بہترین شاید ہی دی جاسکے، کیونکہ اس لائحہ عمل کا مقصد سرمایہ دارانہ نظم اجتماعی کا انہدام (Destruction) نہیں بلکہ اس کی اسلامی تطہیر (Reconstruction) اور سرمایہ داری کی اسلامی توجیہ (Islamic Version of capitalism) تیار کرنا ہے۔ یہ حکمت عملی اپنانے والے مفکرین کبھی اس سوال کو جواب نہیں دیتے کہ اس نام نہاد (Shariah compliance) کے نتیجے میں جو انفرادیت ومعاشرت عام ہورہی ہے، وہ اسلامی ہے یا سرمایہ دارانہ؟'' (شمارہ اگست ص ۲۶) پھر اپنا مقصد اور ہدف اس طرح بتاتے ہیں: ''پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سرمایہ دارانہ نظام سے نکلے ہوئے اداروں پر ایک کل کی نظر سے فتویٰ لگائیں۔'' (شمارہ اکتوبر ص ۳۳) سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمہ کو مقصد قرار دینے کے بعد وہ ایک دوسری بات کرتے ہیں: ''اسلامی معاشیات کی ایک بڑی خامی ساخت (structure) اور مقصدیت (spirit) کے تعلق باہمی کو نظر انداز کرنا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے یہ نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اس کی ساخت (structure) کا حصول مقصد اور اس کے دوام کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ساخت وڈھانچے کے اندر جو روح (Spirit or subsance) موجود ہوتی ہے، اسے اس ساخت سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔'' (شمارہ ستمبر ص ۲۶) سرمایہ دارانہ نظام کے اداروں میں کارپوریشن اور کمپنی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کمپنی انسان کی سرمائے میں لامحدود اضافہ کرنے کی خواہش کا عملی اظہار ہے۔ اس ڈھانچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(structure) کا اور کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی یہ کسی اور مقصدیت کے فروغ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ کسی معاشرے میں کمپنی کا وجود اور اس کا فروغ اس بات کی ضمانت ہے کہ افراد بڑھوتری سرمایہ کو اپنا مقصد حیات بناتے چلے جائیں۔'' (ایضاً ص ۲۹) ان اقتباسات سے صدیق مغل صاحب کی فکر و نظریہ واضح طور پر یہ بنتا ہے:

ا۔ سرمایہ دارانہ نظام کا مکمل خاتمہ مقصد ہے۔ (۲) سرمایہ دارانہ نظام سے متعلق ہر ہر ادارہ (کمپنی، کارپوریشن وغیرہ) کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ (ساخت کا حصول مقصد سے گہرا تعلق ہوتا ہے)۔ (۳) سرمایہ دارانہ نظام کے ان اداروں کو اسلام اور شریعت کے مطابق نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ اس طرح کرنے سے سرمایہ دارانہ نظام کو اور زیادہ فروغ حاصل ہوگا، لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام سے نکلے ہوئے اداروں پر ایک کل کی نظر سے فتویٰ لگائیں۔ (کارل مارکس کی بنیادی فکر بھی سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے)۔

کون کہتا ہے کہ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اچھا ہے اور اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اس نظام میں تو سرمائے کا ارتکاز ہے، ظلم ہے، استحصال ہے، خود غرضی اور نفس پرستی ہے، خواہشات کو معبود بنا کر زندگی کا اسی میں کھپانا اور برباد کرنا ہے، اسی کی وجہ سے اخلاقی برائیاں اور بگاڑ ہے، عریانی وفحاشی ہے، لیکن اس سب کے باوجود اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اگر معیشت کے بارے میں کوئی اصول اور طریقہ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ قرآن وحدیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور وہ سرمایہ دارانہ نظام کی ساخت میں بھی کہیں موجود ہے تو اس اسلامی اصول کو صرف اس لیے رد کر دیا جائے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام میں بھی موجود ہے؟ اسلام کے معاشی نظام میں ایک اہم اصول نجی ملکیت ہے۔ اسی نجی ملکیت کی بنیاد پر زکوٰۃ، حج، صدقات واجبہ، صدقات نافلہ، وراثت اور دیگر کئی احکامات ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں بھی نجی ملکیت کا اصول بلکہ بنیادی اصول ہے۔ تو چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں نجی ملکیت ہے، لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام کے کل میں ہونے کی وجہ سے نجی ملکیت کے اصول کو اسلام میں سے نکال دینا چاہیے۔ یہاں یہی کہا جائے گا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں نجی ملکیت ہے، لیکن اس کی مزید تفصیلات اس کی اپنی ہیں اور اس کے نتائج واثرات اس کے اپنے ہیں اور اسلام میں نجی ملکیت ہے تو اس کے بہت سارے تفصیلی احکامات اپنے ہیں اور اس کے ثمرات وبرکات اپنے ہیں۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ سرمایہ دارانہ نظام کا اس کے تمام اداروں کے ساتھ انہدام اور خاتمہ چاہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ ان اداروں کو اسلامی بنانے کی کوشش کو نہ صرف غیر اسلامی کہتے ہیں، بلکہ لذت پرستی، نفع خوری، اور سرمایہ داری کے فروغ کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور تیسری طرف وہ واضح طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ ''یہ بات درست ہے کہ سن ۲۰۰۸ء میں آئیڈیل اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ممکن نہیں''۔ (شمارہ اکتوبر، ص ۳۱) تو ایسی صورت میں مضمون کا مقصد کیا ہے؟

صدیق مغل صاحب اپنی ایک نئی فکر اور نیا نظریہ پیش کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقل کی بنیاد پر ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کو ایک کل کی حیثیت سے ختم کرنے کو مقصد قرار دے کر صرف ساخت (structure) کو اسلامی بنانے کو وہ غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''اسلامی معاشیات کے مطابق زید کے 'دائرۂ شریعت کے پابند لذت پرستی اور نفع خوری' کے اس رویے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں سب کے لیے زیادہ لذت پرستی ممکن ہو سکے گی اور صحیح معنی میں سرمایے میں اضافے اور ترقی کا عمل تیز ہو سکے گا۔'' (شمارہ اگست، ص ۲۴) پھر ان کا کہنا ہے: ''خوب یاد رہے کہ دائرۂ شریعت کی پابند معاشیات وبینکاری کا فروغ مقاصد الشریعہ وتزکیے وغیرہ کا نہیں بلکہ لذت پرستی، حرص وحسد، دنیا پرستی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھوتری سرمایے کے فروغ کا ہم معنی ہے۔‘‘ (شمارہ اگست، ص۲۹) اس کے ساتھ ہی وہ مزید وضاحت کرتے ہیں: ’’یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اصل سوال یہ نہیں کہ کیا حرام نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ شریعت کا مدعا کیا ہے، شریعت کا مقصد کس قسم کی انفرادیت ومعاشرت کا فروغ ہے۔ معاشرتی وریاستی پالیسیاں ’مطلوب‘ کے معیار سے طے پاتی ہیں نہ کہ عدم حرمت سے۔‘‘ (شمارہ اکتوبر، ص۲۹)

صدیق مغل صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں یہ کہ ریاستی پالیسیاں مطلوب یعنی سرمایہ دارانہ نظام کو اور اس سے متعلقہ اداروں کو کل کی حیثیت سے ختم کرنا‘ کے معیار سے طے پاتی ہیں۔ کیا دائرۂ شریعت کا پابند رہ کر اور حلال وحرام، جائز وناجائز، مباح اور غیر مباح کو معیار بنا کر معیشت کے اداروں کو قائم کرنا اور چلانا اسلامی نہیں کہلاتا؟ کیا معیشت کو اسلامی بنانے کے لیے دائرۂ شریعت کافی نہیں ہے؟ کیا اس نظریے میں کارل مارکس کی فکر اور نظریہ موجود نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو ایک کل کی حیثیت سے ختم کرنے کو معیار مطلوب قرار دے کر ریاستی ومعاشرتی پالیسیاں طے کی جائیں؟ پھر صدیق مغل صاحب کس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ معیشت میں دائرۂ شریعت کی پابندی کے باوجود اسے نفع خوری، لذت پرستی، حرص وحسد اور دنیا پرستی کہہ رہے ہیں۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی پابندیوں کو کافی نہیں سمجھتے اور اس میں اپنی عقل سے اضافہ کرنا چاہتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی فکر وسوچ کے تدارک کے لیے مولانا تقی عثمانی صاحب نے ان اصولی باتوں میں پہلے ہی تحریر کر دیا تھا اور اس وجہ سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی باتوں میں کتنی جامعیت پائی جاتی ہے۔ وہ معیشت کے اسلامی احکام بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ’’یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ خدائی پابندیاں قرآن وسنت کے ذریعہ عائد کی گئی ہیں۔ انہیں اسلام نے انسان کی ذاتی عقل پر نہیں چھوڑا کہ اگر اس کی عقل مناسب سمجھے تو یہ پابندی عائد کر دے اور اگر مناسب نہ سمجھے تو عائد نہ کرے...... یہ خدائی پابندیاں جو قرآن وسنت نے عائد کی ہیں، بہر صورت واجب العمل ہیں، خواہ انسان کو ان کی عقلی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔‘‘ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص۴۰)

’شریعت کا مدعا کیا ہے‘ کہہ کر صدیق مغل صاحب اپنے قائم کردہ نظریہ ’’سرمایہ دارانہ نظام کا مکمل خاتمہ‘‘ کو شریعت کا معیار مطلوب قرار دے کر اسلامی معیشت کی ساخت (structure) تیار کرنا چاہتے ہیں۔ شریعت کا مقصود ومدعا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ سے تعلق قائم کیا جائے۔ اس کے ہر حکم کو مانا جائے جس کا مظاہرہ عبادات وطاعات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان عبادات وطاعات کے ثمرات وبرکات بہت زیادہ ہیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ علما وحکما نے عبادات وطاعات کی حکمتیں اور فوائد بیان کیے ہیں، لیکن ان حکمتوں اور فوائد کا حصول مقصود نہیں ہے۔ مصالح دنیوی اور فوائد کے حصول کو مقصد قرار دے کر احکامات بنائے اور ترتیب نہیں دیے جاتے۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: ’’احکام شریعت کو مصالح دنیوی کی بنا قرار دینا خطرناک مسلک ہے۔ اس طرز تقریر میں زہر بھرا ہوا ہے۔ جو اس کو جان لے گا وہ سمجھ لے گا کہ یہ لوگ ایسے اسرار بیان کر کے اسلام کے ساتھ دوستی نہیں کرتے بلکہ دشمنی کرتے ہیں اور یہ لوگ حامی اسلام نہیں بلکہ اسلام کے نادان دوست ہیں۔‘‘ (اشرف الجواب، ص۲۸۱)

اس مضمون کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ’’غرض ان حضرات (انگلستان کے) نے مجھے لکھا کہ قربانی خود شریعت کا مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود غربا کی امداد ہے اور ابتدائی اسلام میں لوگوں کے پاس نقد کم تھا، مویشی زیادہ تھے، اس لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ جانور ذبح کر کے غربا کو گوشت دے دو اور اس زمانہ میں نقد بھی بہت زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود ہے، غلہ بھی موجود ہے۔ پس آج کل بجائے قربانی کے نقد روپے سے غربا کی امداد کرنی چاہیے۔ حالانکہ یہ حکمت مقصود نہیں۔ مقصد تو تعمیل حکم ہے۔ اگر یہ حکمت مقصود ہوتی تو اس کی کیا وجہ کہ غربا کو زندہ جانور دینے سے واجب ادا نہیں ہوتا...اس کے کیا معنی کہ جانور ذبح کر کے غربا کو گوشت دیا جائے تو واجب ادا ہوا....اس سے صاف معلوم ہوا کہ امداد غربا مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود اور ہے، مگر آپ نے دیکھ لیا کہ اس قسم کے اسرار بیان کرنے کا نتیجہ کہاں تک پہنچتا ہے کہ ہر شخص مخترع حکمتوں پر احکام کا مدار سمجھنے لگا۔'' (ایضاً ص ۲۸۳)

حضرت تھانوی ایک خطرناک غلطی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس غلطی میں غربا کی امداد کو اصل مقصد قرار دے کر قربانی کے اصل حکم کو بدلنے کی تجویز تھی۔ بالکل یہی غلطی صدیق مغل صاحب کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مخترع حکمت (سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ اصل مقصد ہے) کو مدار بنا کر اسلامی معیشت کے احکامات (ساخت) تیار کرنا چاہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کارپوریشن اور کمپنی کے وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں (پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سرمایہ دارانہ نظام سے نکلے ہوئے اداروں پر ایک کل (totality) کی نظر سے فتویٰ لگائیں۔) اپنی مخترع حکمتوں پر احکام کا مدار سمجھنے کے معاملے پر شاہ اسماعیل شہیدؒ نے کیا خوب بات ارشاد فرمائی ہے جس کو سید سلیمان ندویؒ نے نقل کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ اسی کے لیے پیدا کرنا اور حکم دینا، اور عقل وغیرہ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی حکم کو ثابت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ جس کا حکم دیا، وہ درحقیقت حسن (اچھا) ہے، عام اس سے کہ وہ لذاتہ حسن ہے یا اپنے کسی وصف یا اپنے کسی متعلق کی بنا پر۔ اسی طرح جس سے منع فرمایا، وہ قبیح ہے۔ تو افعال کا حسن و قبح کے ساتھ اتصاف، امر و نہی سے پہلے ہی عالم حقیقت میں ہو چکا تھا۔ اسی کی رعایت کر کے اللہ تعالیٰ نے امر و نہی فرمایا۔ عقل ان کے حسن و قبح کو معلوم کر لیتی ہے تو اس موقع پر اس حسن و قبح کو عقلی کہتے ہیں، لیکن شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہ تھا تو یہ مذکورہ حسن و قبح بندوں کے حق میں صرف شرع الٰہی پر مبنی ہیں۔'' سید سلیمان ندویؒ تحریر کرتے ہیں: ''فن کے بڑے بڑے مسئلوں میں ایک ایک دو دو فقروں میں طے فرما دیا ہے.....جو کچھ اللہ تعالیٰ نے امر و نہی فرمایا ہے، وہ تمام تر حکمت اور بندوں کی مصلحت پر مبنی ہے۔ عقل کبھی اس حکمت و مصلحت کو پا لیتی ہے تو اس کو عقلی بھی کہہ سکتے ہیں، ورنہ عقلی کہنے کا یہ منشا نہیں کہ عقل اس قانون کی واضع اور آمر ہے۔'' (سیرۃ النبی ج ۷، ص ۱۹۹)

صدیق مغل صاحب جس طرح سرمایہ دارانہ نظام کا انہدام چاہتے ہیں، اسی طرح وہ جمہوریت کا بھی مکمل خاتمہ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے اپنی وہی فکر استعمال کرتے ہیں، چنانچہ تحریر کرتے ہیں: ''یعنی وہ لبرل سرمایہ داری کو دائرۂ شریعت کا پابند بنانے کی بات کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے سیاسی مسلم مفکرین جمہوریت کو دائرۂ شریعت کا پابند بنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔'' (شمارہ اگست، ص ۲۴) پھر لکھتے ہیں: ''حیرت کی بات ہے کہ کئی مسلم مفکرین اس فکری انتشار کا شکار ہیں کہ وہ اسلامی جمہوریت کے تو خلاف ہیں لیکن اسلامی معاشیات کے سحر میں گرفتار ہیں حالانکہ دونوں کے پیچھے دائرۂ شریعت کی پابندی کا فلسفہ ہی کارفرما ہے۔'' (شمارہ اکتوبر، ص ۳۳) مزید بیان کرتے ہیں: ''فی الحقیقت اسلامی معاشیات اور اسلامی جمہوریت نے مل کر وہ سراب پیدا کیا ہے جس کے بعد اسلامی تحریکات کی توجہ انقلابی جدوجہد کے بجائے محض پر امن اور حقوق کی سیاست پر منتج ہو کر رہ گئی ہے۔'' (ایضاً، ص ۳۳)

جمہوریت سے کیا مراد ہے اور اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے جسے چھیڑنے سے مضمون طویل ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، البتہ جاری گفتگو کی مناسبت سے ایک مختصر سی بات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں ۱۹۷۳ء کا دستور بنا اور نافذ ہوا۔ اس دستور کے بارے میں جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ اور دستور کی تدوین میں شریک مولانا مفتی محمود کا کہنا تھا کہ ''۱۹۷۳ء کا دستور ۸۰ فیصد اسلامی آئین ہے، اگر میں وزیر اعظم بنتا ہوں تو یہ ۱۰۰ فی صد اسلامی آئین بن جاتا ہے۔'' (اس جانب اشارہ ہے کہ آئین کے نفاذ کا انحصار نافذ کرنے والوں پر بھی ہوتا ہے) (مولانا عبدالغفور حیدری کا انٹرویو، روزنامہ اسلام، ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۸ء) اور جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی، جو بعد میں تمام دینی جماعتوں کے سربراہ بھی رہے ہیں، نے ڈسٹرکٹ بار بہاولپور سے خطاب کے دوران کہا تھا: ''پاکستان کا آئین مفصل، جامع اور اسلامی ہے۔ اس آئین سے دوسرے ممالک بھی رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔'' (روزنامہ جنگ، ۲۲/اپریل ۱۹۹۶ء) اور مفتی اعظم محمد رفیع عثمانی کا کہنا ہے: ''جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس وقت جن مسلم ممالک میں دستور مدون شکل میں موجود ہے، ان کے مقابلے میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین دینی اعتبار سے سب سے زیادہ امید افزا اور خوشگوار امتیاز رکھتا ہے۔'' اسی طرح جماعت اسلامی کے بزرگ رہنما میاں طفیل محمد صاحب بھی اسے اسلامی آئین کہہ چکے ہیں، اور ماہنامہ 'الشریعہ' کے رئیس التحریر مولانا زاہد الراشدی صاحب کہتے ہیں: ''پاکستان کا آئین قرارداد مقاصد کو اپنی بنیاد قرار دیتا ہے، قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرتا ہے، اسلام کو ریاست کا مذہب تسلیم کرتا ہے، قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی سے پارلیمنٹ کو روکتا ہے، اور قرآن وسنت کے احکام وقوانین کے نفاذ کا وعدہ کرتا ہے۔ جب تک یہ دستوری پوزیشن موجود ہے، پاکستان بہرحال ایک اسلامی ریاست ہے۔'' (ماہنامہ الشریعہ، نومبر/دسمبر ۲۰۰۸)

غور طلب امر یہ ہے کہ اگر سیکولر ریاست برطانیہ، جہاں مذہب کو ریاستی امور سے مکمل طور پر بے دخل کر کے پارلیمنٹ کی حاکمیت کے بنیادی اصول ونظریہ کو تسلیم کیا گیا ہے، سے نکلنے والے جمہوری اداروں (صدیق مغل صاحب کے الفاظ میں ساخت) کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے تو کیا سرمایہ دارانہ نظام سے نکلنے والے اداروں (ساخت) کو اسلامی بنانا ممکن نہیں ہے؟ اس وقت بھی تمام دینی جماعتیں اور ان میں شامل تمام علما اسی آئین (بعض جزوی ترامیم کے ساتھ) کو نافذ رکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس میں جو اہم اسلامی شقیں ہیں، ان میں سے کسی بھی شق کے ختم کر دینے کی کوشش پر فکر مند ہو جاتے ہیں۔ (آئین کے نفاذ سے اس کے نتائج وثمرات کیوں مرتب نہیں ہو سکے، یہ ایک علیحدہ مستقل بحث ہے۔) گویا تمام دینی اکابر کا اس پر اتفاق ہے کہ ملک کا آئین اور اس میں موجود جمہوریت اسلامی ہے، لیکن صدیق مغل صاحب کا فکر ونظریہ کیا ہے؟ اس کے مطابق ہم جمہوری نظام سے نکلے ہوئے اداروں پر ایک کل کی نظر سے فتویٰ لگائیں، گویا وزیر اعظم، کابینہ، پارلیمنٹ، صوبائی اسمبلی اور وزیر اعلیٰ و کابینہ، غرض ان سب اداروں کو غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے (سرمایہ دارانہ نظام کی طرح جمہوریت کا خاتمہ مقصد اور اس سے نکلنے والے ادارے غیر اسلامی) ختم کر دیے جائیں۔ ایسی منفرد رائے پر مزید کچھ کہنے کی گنجایش محسوس نہیں ہوتی۔

© rasailojaraid.com